شریعت کا جادۂ قویمہ شاہ ولی اللہ کی نظر میں

غلام مصطفیٰ قاسمی

شریعت کے لغوی معنی اگرچہ شاہراہ، منہاج اور پانی کا گھاٹ وغیرہ آتے ہیں، لیکن اصطلاحی معنوں میں شریعت سے مراد وہ الٰہی احکامات ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اتارا ہے تاکہ وہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لائے۔ اور ان کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرے۔

شریعت کے یہ احکامات دو قسم کے ہیں۔

۱۔ معتقدات یہ کیفیتِ اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں علم کلام کی تدوین ان احکام کے لئے ہوئی ہے۔

۲۔ وہ احکام جن کا تعلق کیفیتِ عمل سے ہے۔ احکام کی اس دوسری قسم کا نام فرعی اور عملی ہے۔ علم فقہ میں ان ہی احکام سے بحث کی جاتی ہے۔ احکام کی ان دو اقسام کی تفصیل میں اگرچہ اسلام کے مختلف طبقوں کا اختلاف رہا ہے لیکن اجمالی طور پر یہ سب فرقے اس پر متفق ہیں کہ شریعت نام ہے اس قانون الٰہی کا، جس کو پیغمبر اسلام انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کے لئے اپنے پروردگار کی طرف سے لائے۔ اس لحاظ سے شریعت کے احکام کی اہمیت مسلم ہے۔ اور اکراہ و اضطرار کے علاوہ اس کے کسی ابدی حکم سے انحراف ناروا ہے۔

ائمہ فقہا کی طرف سے شریعت کے ماخذ اگرچہ چار بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی کتاب اللہ سنت، اجماع امت اور قیاس۔ مگر سب نے اصل ماخذ کتاب اللہ کو ہی مانا ہے، گویا نص صریح کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسری دلیل کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ علمائے اسلام

میں سے بعض محققین کی تو یہ رائے ہے کہ احادیث نبوی کا ایک حصّہ خود قرآن مجید سے ہی مستنبط اور اس کے لئے بمنزلہ شرح کے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک جگہ حدیث کے علوم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ومن علومه تفسير القرآن والاستنباط منه وهو اعظم العلوم. وسنورد عليك منه كفافا. امر الله سبحانه باشياء مطلقة كالصلوة، والزكوة. وكقوله: سبح اسم ربك الاعلى، وسبح بحمد ربك وغير ذلك فوقتها رسول الله صلى الله عليه وسلم باوقات معينة. وامر الله بامور كقوموا وكبروا واتل ما اوحى اليك، واركعوا واسجدوا فبين رسول الله صلى الله عليه وسلم انها اركان الصلوة۔

اور حدیث کے علوم میں سے ایک علم قرآن کی تفسیر اور اس سے احکام کا استنباط ہے، اور یہ بہت بڑا علم ہے ہم اس سے یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں (مثلاً) اللہ پاک نے چند اشیاء کے متعلق اجمالی حکم فرمایا ہے جیسے نماز، زکوٰۃ اور جیسے یہ قول باری تعالیٰ کہ تو اپنے بلند پروردگار کے نام سے تسبیح پڑھ اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کہہ۔ اسی طرح دوسری کئی آیات ہیں۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے اس کے لئے اوقات معین فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے قیام، تکبیر، تلاوت قرآن، رکوع اور سجدہ کا حکم فرمایا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان کو اس طرح بیان فرمایا کہ ان سب احکام کو نماز کے ارکان بتائے۔

اسی جگہ آیات قرآنی کی چند دوسری مثالوں کے ذکر کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ونحن قد تتبعنا جميع ما وصل الينا من الاحاديث الواردة في كتاب الصلوة فوضح لنا انها مستنبطة كلها من كتاب الله سبحانه وتعالى

اور کتاب الصلوۃ میں جتنی احادیث وارد ہمیں ملی ہیں، ان میں غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ سب احادیث حکمی استنباط کے ساتھ کتاب اللہ سے ماخوذ اور مستنبط ہیں

استنباطاً علمیاً وعسی ان نحیطہ فی رسالۃ منفرزۃ۔[1]

اور ہم اس موضوع پر ایک جامع اور مستقل رسالہ لکھنے کا خیال رکھتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں جب اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور اس کے ساتھ نئے واقعات و مسائل بھی در پیش آئے تو امت محمدیہ کا ایک طبقہ جن کو "مجتہدین" کہا جاتا ہے، اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی علمی کوششیں شروع کیں، ان کو احکام کی علل تلاش کرنا پڑیں، جنہیں شارع علیہ السلام نے بصراحت یا بدلالت بیان فرمایا تھا۔

اس سلسلہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ان من جملۃ احکام الشرع انہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد الی امتہ صریحا او دلالۃ انہ متی اختلف علیہم نصوصہ او اختلفت علیہم معانی نص من نصوصہ فہم مامورون بالاجتہاد واستفراغ الطاقۃ فی معرفۃ ما ھو الحق من ذالک[2]

من جملہ احکام شریعت کے ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بصراحت یا بدلالت یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان میں آپ کے منصوص احکام کے بارے میں اختلاف ہو۔ یا آپ کی نصوص میں سے کسی نص کے معنی میں وہ باہم مختلف ہوں تو ان کو حکم ہے کہ اجتہاد کریں اور ان اختلافی احکام اور معانی میں سے امر حق معلوم کرنے میں خوب طبیعت کا زور لگائیں۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کی یہ متفقہ رائے ہے کہ جس حکم شرعی کو مجتہد اپنی کوشش اور اجتہاد سے استنباط کرتا ہے، وہ شارع علیہ السلام کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ

---

[1] الخیر الکثیر (ع.ب) ص ۹۶ مطبوعہ مجلس علمی

[2] عقد الجید تالیف شاہ ولی اللہ ص ۳۰ مطبوعہ مجتبائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ سے لیا گیا ہو، یا وہ اس علت کی طرف منسوب ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ماخوذ ہے۔

شاہ صاحب کے الفاظ میں اسے یوں زیادہ صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

کل حکم یتکلم فیہ المجتہد باجتہادہ منسوب الی صاحب الشرع علیہ الصلوات والتسلیمات اما الی لفظہ او الی علۃ ماخوذۃ من لفظہ[1]	جس حکم میں مجتہد اپنے اجتہاد سے گفتگو کرتا ہے، وہ شارع علیہ الصلوات والتسلیمات کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ آپ کے الفاظ مبارکہ کی طرف منسوب ہو یا اس علت کی طرف جو آپ کے الفاظ سے لی گئی ہے۔

جب ان مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مساعی جمیلہ سے شریعت کے مسائل اور احکام مدون ہو چکے، تو ان سے بلا ضرورت باہر جاکر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ شاہ صاحب نے ان مجتہدین کے مذاہب اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو چھوڑنے اور ان سے باہر جانے کی ممانعت کے بارے میں ایک جگہ ایک باب باندھا ہے۔ جس کے شروع میں وہ فرماتے ہیں۔

اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاہب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنہا کلہا مفسدۃ کبیرۃ ونحن نبین ذلک بوجوہ۔[2]	جاننا چاہیئے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سب کے سب سے روگردانی کرنے میں بڑا فساد ہے اور ہم اس بات کو کئی وجہوں سے بیان کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے ان وجوہ کی تفصیل کے بعد علامہ ابن حزم اندلسی پر تقلید کو حرام قرار دینا پر مبسوط رد فرمایا ہے۔

اسلام کے اوائل دور سے لے کر تیسری اور چوتھی صدی تک شریعت کے بارے

---

[1] عقد الجید صفحہ ۲۹ [2] ایضاً صفحہ ۳۱۔

میں بڑا اہتمام رہا اور اس سلسلہ میں اجتہادی رنگ کی تعلیم بھی جاری رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنے صحابہ کو دینی مسائل کی علمی اور عملی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ کے چند صحابہ تو ایسے عظیم مجتہد اور قانون شریعت کے بڑے عالم نکلے کہ آپ کے عہد مبارک میں بھی وہ فتوے دیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کو پیارے ہوگئے تو دوسرے صحابہ ان فقہاء صحابہ ہی کی طرف شرعی مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ پھر تابعین نے صحابہ سے شریعت کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔

مدینہ منورہ چونکہ مہبط وحی تھا۔ پھر تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے آخری دور تک جمہور صحابہ کا مسکن اور مقر مدینہ طیبہ ہی رہا اسلئے مدینہ منورہ کے کئی تابعی بزرگوں نے فقہ و حدیث کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے جو متعدد روایتیں اور اقوال منقول تھے ان کو جمع کرنے کی کوشش کی مدینہ منورہ میں سات فقہاء ایسے ہوئے جنہوں نے فقہ میں عظیم مرتبہ حاصل کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ صحابی تھے لیکن اپنے والد بزرگوار فاروق اعظمؓ کے فیصلوں کے متعلق فقہائے سبعہ میں سے ایک فقیہہ سعید بن مسیب سے دریافت کرتے تھے کیونکہ سعید بن مسیب کو صحابہ کے فیصلوں پر بڑی دسترس تھی[1]۔ ان سات فقہا کے علوم اور مسائل امام مالکؒ کے اساتذہ اور مشائخ تک پہنچے، جن کو امام دارالہجرہ مالک نے جمع کیا اور ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اس طرح یہ مذہب ان کی طرف منسوب ہوا جس کو بڑے بڑے علماء دلائل کی بنا پر قرناً بعد قرن مانتے آئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

لانھا (ای المدینۃ) مأوی الفقھاء و مجمع العلماء فی کل عصر ولذلک تری مالکا یلازم محجتھم[2]

اور یہ اس لئے کہ مدینہ طیبہ ہر عہد اور ہر زمانہ میں فقہائے اسلام اور علماء کا ملجاء و ماویٰ اور مرکز رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک ان کے طریق کو نہیں چھوڑتے۔

---

[1] مقالات الکوثری ص۱۳۰ مطبوعہ مصر

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴۵ طبع مصر

باقی مذاہب کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔ مثلاً کوفہ جس کی بنیاد حضرت فاروق اعظم نے رکھی اور ان کے ارشاد کے مطابق عرب کے مختلف قبائل وہاں بسائے گئے اور جن کی تعلیم کے لئے فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ کی طرف یہ کہہ کر روانہ فرمایا

اے اہل کوفہ! عبداللہ بن مسعود جیسے فقیہہ کی تو مجھے بھی ضرورت تھی لیکن میں اپنے اوپر تمہیں ترجیح دے کر اسے تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔

جملہ کتب حدیث اور کتب طبقات عبداللہ بن مسعود کی عظمت شان سے مملو ہیں آپ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، عمرو بن میمون، ربیع بن خیثم اور مسروق شمار کئے جاتے ہیں بہت زیادہ مستفید ہوئے اور یہ سب بالعموم اور علقمہ بالخصوص حضرت ابن مسعود کے فیض صحبت سے بہت زیادہ مستفید ہوئے۔ بقول علامہ ذہبی یہ کسی دوسرے صحابی کو علم میں ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود خلافت فاروق اعظم سے لے کر حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دور تک کوفہ میں فقہ اور شریعت کی تعلیم دیتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر کوفہ فقہاء سے بھر گیا اور جب حضرت علی رضؓ نے اپنے دارالسلطنت کو کوفہ کی طرف منتقل کیا تو کوفہ میں فقہاء کی کثرت کو دیکھکر بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔

رحم اللہ ابن ام عبد (ابن مسعود)	اللہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) پر
قد ملأ هذه القریة علماً	رحمت فرمائے۔ تحقیق اس نے اس شہر کو
	علم سے مالا مال کر دیا ہے۔

اس کے بعد سیدنا علیؓ کے علوم سے بھی اہل کوفہ مستفید ہوتے رہے۔ پھر تو یہ شہر کثرت فقہاء محدثین و مفسرین اور علوم لغت عربیہ کے لحاظ سے جملہ بلاد اسلامیہ میں بے مثال شہرت کا مالک بن گیا۔ اور اس کے حضرت علیؓ کے دارالخلافت بننے سے بڑے بڑے فقہاء نے اس میں سکونت اختیار کی اور اس شہر کی علمی وقعت بہت بڑھ گئی۔ صرف کوفہ میں۔ بروایت عجلی پندرہ سو صحابہ کرام نے سکونت اختیار فرمائی تھی۔ اور وہ صحابہ ان کے علاوہ ہیں جو کوفہ کے گرد و نواح یا عراق میں سکونت پذیر ہوئے۔

[1] تذکرة الحفاظ ج ۱ صلا طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن

اب اگر سیدنا علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ کی فہرست تیار کی جائے تو اسکے لئے ایک ضخیم دفتر چاہیئے۔ یہ تو سب ائمہ حدیث کے ہاں مسلم ہے کہ صحابہ کرام عبداللہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے مشابہ رکھنے والے سمجھتے تھے۔ بالکل اسی طرح ابن مسعودؓ کے مخصوص شاگرد علقمہ کے متعلق تابعین کی یہ رائے تھی کہ وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی سیرت کے حامل ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ان تلامذہ کی تعلیم اور تربیت سے ابراہیم نخعی، ابو اسحاق سبیعی اعمش اور منصور جیسے ائمہ پیدا ہوئے۔

حافظ ذہبی، ابوداؤد سجستانی کے تذکرے میں بعض ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سیرت میں علقمہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ علقمہ عبداللہ بن مسعود سے اور عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ نقادان حدیث نے تو ابراہیم نخعی کے مراسیل کو بھی صحیح مانا ہے۔ امام شعبی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ رائے بھی سن لیجئے۔

ھوا حفظ لھا منی وان کنت قد شھدتھا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی شعبی مغازی کو مجھ سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے اگرچہ میں ان مغازی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔

اس جماعت فقہا کی صحبت اور تربیت سے امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے ان فقہا کے آثار کو امام ابوحنیفہ کے دو بڑے شاگردوں امام ابویوسف اور امام محمد نے جمع کیا اور کچھ آثار مصنف ابن شیبہ میں مدون ہوئے۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ میں ایک اور تحقیقی اضافہ کیا اور وہ یہ کہ ان ائمہ فقہا کے آراء اور علوم کو چالیس تلامذہ (جو کہ بذات خود بہت بڑے فقہا تھے) کی مجلس شوریٰ کے سامنے بحث و تمحیص کے لئے رکھا اور بحث و تحقیق کے بعد جو رائے متفقہ یا کثرت آراء سے منظور کی جاتی تھی اس کو مدون کیا جاتا تھا اور پھر یہ سب آراء امام محمدؒ کی کتب ظاہر الروایۃ میں مدون ہوگئیں۔

خطیب بغدادی ابن کرامہ کی سند سے لکھتے ہیں کہ ہم ایک دن وکیع کے ہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے کسی مسئلے کے متعلق یہ کہا کہ ابوحنیفہ نے اس میں خطا کی۔ یہ سن کر وکیع فرمانے لگے کہ ابوحنیفہ کیسے خطا کرسکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ابو یوسف اور زفر جیسے قیاس کے ماہر تھے یحییٰ بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث جیسے حفاظ حدیث تھے قاسم بن معن جیسے لغت

عربیہ کے ماہر تھے، اور داود طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد اور متورع تھے جس شخص کے اس قسم کے ہمنشین ہوں وہ خطا نہیں کر یگے اور اگر خطا کرتے تو یہ سب اس کی تردید فرماتی

امام ابوحنیفہ کے بعد امام شافعیؒ آتے ہیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ اور کوفہ کے علوم کے ساتھ مکہ مکرمہ کے علوم کو ملا دیا۔ امام شافعیؒ نے مکہ کے علوم کو مسلم بن خالد سے حاصل کیا۔ انہوں نے ابن جریج سے اور ابن جریج نے عطا سے اور عطا نے ابن عباسؓ سے یہ علوم حاصل کئے۔ یہاں تک تو ائمہ اہل سنت کے مذاہب فقہ کے متعلق مختصر عرض کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ جملہ مذاہب فقہ قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں ہر ایک امام کا طرزِ استنباط دوسرے سے الگ ہے اس میں طبائع اور خطوں کے اختلاف کو بھی بڑا دخل ہے، جس کی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں تصریح فرما دی ہے۔ لیکن آج کا دور ان اختلافات اور امت کے تشتت و افتراق کا متحمل نہیں ہوسکتا چاہیے ہم نئے دور کے تقاضوں سے کتنی ہی چشم پوشی کریں اور ان سے آنکھیں بند کرلیں اور کوشش کریں کہ انہیں نہ دیکھیں لیکن حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہوگی اور ہماری اس چشم پوشی سے قوم کا نوجوان طبقہ کبھی مطمئن نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ طبقہ علماء سے بصیرت اور غائر نظر رکھنے والے علماء نے اس ضرورت کو محسوس کیا ہے، ہمارے بزرگ دوست اور وقت کے محدث مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے اس سلسلے میں پہل فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ خیرا لجزاء۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی مولفات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اپنے دور میں ان اختلافات سے خوش نظر نہیں آتے اور جیسے موصوف نے تصوف کے مختلف مذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش فرمائی۔ اسی طرح فقہی اختلافات کو کم کرنے کے بھی وہ بڑے کوشاں تھے۔ آپ کی تصنیفات میں تطبیق کا یہ پہلو اکثر نظر آئے گا، اس لئے آپ کو شریعت کے جادۂ قویمہ کے تعین کے لئے بھی سوچنا پڑا اور آپ نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور تالیف تفہیمات الٰہیہ میں جو تحقیق فرمائی ہے اس کو ہم قارئین کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یہاں طوالت

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۷

سے اجتناب کرتے ہوئے اصل عبارت کو چھوڑ کر صرف ترجمہ پر اقتصار کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

دنیا کا مختلف طرق اور مذاہب میں بٹ جانا اور امت کا گروہ در گروہ ہونا ایک ایسا بڑا سانحہ ہے جس نے امت کے عوام اور خواص دونوں کو ڈلا دیا ہے۔ بعض اہل اللہ پر فقہائے اسلام کے ہر قول کا ارتباط شریعت محمدیہ سے منکشف تو ہوا لیکن اس کے لئے اس جادۂ قویمہ کا انکشاف نہ ہوا، جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے منکشف کیا۔ اور اس سے اللہ تعالےٰ راضی ہوئے۔ (اصل میں) جس کو یہ طریقہ ہاتھ آیا، اس نے حظ وافر پایا اور جس نے اس کو نہ پایا وہ اس حظ وافر کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اگرچہ تکلیف اٹھانے کی وجہ سے وہ بھی ماجور ہوگا۔ اس قسم کے اہل اللہ فقہا کے بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کے بارے میں خاموش رہے اور مختلف اقوال کے درمیان تطبیق دینے کی یہ صورت نکالی کہ اختلاف کو عزیمت اور رخصت پر محمول کیا (اور یہ کہا کہ) جو شخص عزیمت کی ادائیگی پر قوت رکھتا ہے تو عزیمت پر عمل کرے اور جس کی قوت جسمانی یا قوت روحانی اس کا تحمل نہیں کر سکتی تو وہ رخصت کو اختیار کرے۔ شعرانی نے (اپنی کتاب) میزان میں اس کو مفصل بیان کیا ہے، اور شعرانی سے پہلے اس اصل اور قاعدے کی طرف شیخ محی الدین محمد بن علی بن عربی نے سبقت فرمائی ہے۔

کچھ اہل اللہ ایسے بھی گذرے ہیں کہ ان کو شریعت کا وہ جادۂ قویمہ نظر آیا جو کہ ظاہر شریعت کی طرف رہنمائی کرتا ہو اور وہ طریقہ جس کو جمہور مسلمانوں نے کبار تابعین سے اور تابعین نے کبار صحابہ سے اور صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح حاصل کیا ہے جیسے کوئی چیز ہاتھ کے ذریعہ لی جائے۔ یا اگرچہ وہ بعینہ متوارث نہ ہو، لیکن متوارث سے قوی مشابہت رکھتی ہو، اور ایسے شخص کو اہل الرائے کے مذاہب کناروں کی طرح نظر آئے پھر اس بحث کنندہ متکلم دین کی نصرت اور اس سے مدافعت کا خیال کرتے ہوئے (اپنے زعم میں) راجح کو ترجیح دیتے رہے۔ یہ طریقہ اکثر محدثین کا ہے، انہوں نے اس میں بڑی سعی فرمائی۔

کچھ اہل اللہ ایسے بھی ہیں جن کو (مذکورہ) دونوں باتوں پر اطلاع ہوئی۔ انہوں نے سب مذاہب کو اس طرح مانا کہ سب شریعت کے دائرہ میں داخل ہیں اور ان پر عمل کرنے کی دین میں گنجائش ہے مگر ان میں سے فضیلت جادۂ قویمہ کو ہے، اور یہی طریقہ اللہ تعالےٰ کے ہاں کامل طور پر مرضی اور پسندیدہ ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ مجھے اس نے تیسری جماعت میں سے بنایا۔ اور میرے لئے شریعت کی اصل اور تبیان کو منکشف فرمایا۔ یہ تبیان وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لتبین للناس ما نزل الیھم۔ یعنی تم لوگوں سے اس کو بیان کرتے رہو جو کہ لوگوں کی طرف اترا ہے۔

اس کی مثال (اس طرح سمجھئے کہ) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ یعنی نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اقامت کا لفظ "قامت السوق" کے عربی محاورے سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں بازار لگ گیا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب بازار میں خرید و فروخت شروع ہو جائے۔ اس سے یہاں مقصد ہے رواج اور اشاعت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد ترویج کو اس طرح بیان فرمایا کہ اوقات نماز کی تعیین فرمائی رکعات نماز کے عدد بتلائے، صفت (یا ہیئت) نماز کی تعلیم فرمائی۔ اذان کو مشروع فرمایا جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ مساجد کی تعمیر اور ان میں حاضر ہونے کو مستحب قرار دیا۔ یہ تمام چیزیں "اقامت صلوٰۃ" کی تبیان اور تفسیر ہیں۔ اگر اس طرح واضح اور مفصل بیان نہ ہوتا تو ہم اس کو کبھی سمجھ نہ سکتے۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے کو اس طرح بیان فرمایا کہ نصاب کی تعیین کی اور مقدار واجب، جنس واجب اور دوسری چیزوں کو واضح فرمایا۔

اس کے بعد پھر اس تبیان اور تفسیر کی وضاحت اور تفسیر صحابہ اور تابعین کی طرف سے ہوئی۔ اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اشارہ بھی فرمایا۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ یعنی میرے بعد ابوبکر اور عمرؓ کی پیروی کرنا اور یہ فرمایا۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح روشن ہیں جس کسی کی پیروی کروگے تو راستہ پاؤ گے۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں نماز کو قصر فرمایا۔ سفر ہمارے ہاں مبہم چیز تھی۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباسؓ کے عمل سے اس کی وضاحت ہوگئی کہ وہ چار برد یا منازل سے عبارت ہے۔

اس کے بعد پھر قدمائے مجتہدین کے ہاتھوں اس کی وضاحت اور اس کے اصول اور فروع کی تدوین ہوئی۔ جس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق الایۃ

اس آیت میں صرف تین اعضا کے دھونے اور چوتھے کے مسح کا ارشاد ہے۔ یعنی چہرہ ہاتھ کہنیوں تک اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جائے اور سر کا مسح کیا جائے۔ اب مجتہدین نے اس میں اس طرح بحث کی کہ غسل کے معنی ہیں صرف پانی کا بہانا یا اس میں دلک بھی شرط ہے اور وجہ یا چہرے کی حد فلاں جگہ سے فلاں تک ہے اور "الی المرافق" کے معنی ہیں "مع المرافق"۔ یعنی کہنیوں کے ساتھ۔ اور مسح میں صرف مسح کا نام کافی ہے اگرچہ ایک یا دو بال پر ہو یا رُبع راس (چوتھائی سر) یا پورے سر کا مسح ضروری ہے (اس طرح یہ مذاہب وجود میں آئے)۔ اس کے بعد ہر مذہب کے پیرو کار متاخرین فقہا نے ائمہ مذاہب کے قواعد کو سامنے رکھکر ان سے دوسرے مسائل کی تخریج کی اور ان مذاہب کی شرح بیان فرمائی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ میرے لئے یہ تمام چیزیں جس طرح نفس الامر میں اپنی ترتیب سے واقع ہیں، اس طرح واضح کی گئی ہیں جیسے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، اور دین میں جو بھی کچھ کہا گیا ہے اس کو میں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اصل شریعت میں پایا۔ (مذاہب کے) اس اختلاف کے متعلق یہ گفتگو کتنی صادق آتی ہے کہ اس کی مثال ایک درخت کی ہے جس سے بڑی بڑی ٹہنیاں پھوٹیں۔ پھر ان ٹہنیوں سے دوسری چھوٹی ٹہنیاں نکلیں اور ٹہنیوں پر پتے اور پھول نکل آئے۔ یا اس کی مثال ایک ایسے پانی کے چشمے

کی ہے جس سے بڑی نہریں نکلیں اور بڑی نہروں سے دوسری چھوٹی چھوٹی نہریں نکلیں اور ان چھوٹی نہروں سے برتنوں کو بھر اگیا۔ اور اس سے زمین بھی سیراب ہو گئی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں (کہ جادۂ قویمہ کے سلسلہ میں) میرے لئے شاہراہ اور وسط طریق کا بھی انکشاف ہوا، جس کی رات (بھی) اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ اس کا اول آخر کی طرح ہے اور ان مخفی اور مٹے ہوئے آثار کے راستے بھی معلوم ہوئے جن پر چل کر آنحضرت صلعم اور ان کے صحابہ کے راستے تک کبھی رسائی نہیں ہوتی۔ جب تک رائے سے کام نہ لیا جائے اور اوہام اور ایسے شخص کی تقلید کے بارے سے آزاد نہ ہو، جو خطا اور ثواب کا حامل ہے اور اسکے صحیح اور خطی قول سے تخریج ہوتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ جب رائے سے کام لیا جائے اور اوہام اور ایسے شخص کی تقلید کا بوجھ اٹھایا جائے جو خطا اور ثواب کا صاحب ہو اور پھر مصیب اور مخطی کے قول پر تخریج کا بوجھ اٹھانا پڑے۔

میرے لئے اس رائے کی حقیقت بھی منکشف کی گئی جس کی سلف نے مذمت کی ہے۔ اور چند فقہار کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

امام ابو منصور عبدالقاہر تیمی اپنی کتاب "اصول الدین" میں لکھتے ہیں:۔ "صحابہ کرام میں سے چار بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے فقہ کے جملہ ابواب پر گفتگو فرمائی ہے۔ اور وہ علیؓ، زیدؓ، ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ ہیں۔ جب یہ چاروں کسی مسئلے میں متفق القول ہوتے ہیں، تو اس میں سرے سے کوئی اختلاف پیدا ہی نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کسی مسئلہ میں علیؓ دوسروں سے الگ رائے رکھتے ہیں، تو ابن ابی لیلیٰ، شعبی اور عبیدہ سلمان حضرت علیؓ کی پیروی کرتے ہیں اور جس مسئلہ میں زیدؓ اپنے تینوں ساتھیوں سے الگ ہوتے ہیں، تو مالک اور شافعی ان مسائل میں ان کے ہمنوا ہوتے ہیں۔ اور خارجہ تو لازمی طور پر حضرت زید ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور ابن عباس جن مسائل میں دوسروں سے اختلاف کرتے ہیں، تو عکرمہ، طاؤس اور سعید بن جبیر ان کا اتباع کرتے ہیں۔ اگر ابن مسعود دوسروں سے کسی مسئلے میں الگ ہوتے ہیں، تو علقمہ اور اسود ان کی رائے کو لے لیتے ہیں۔"

(شاہ ولی اللہ کا فلسفہ۔ از مولانا سندھیؒ)